ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458

CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW

CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.02 (2026)

ترقی پسند اردو افسانہ: ایک تجزیہ

PROGRESSIVE URDU SHORT STORY: AN ANALYSIS

Dr. Parveen Kallu ,
Associate Professor Urdu Department , Government College University Faisalabad
Farhana Soomro*,
Research Scholar PhD Urdu Department, University of Sindh, Jamshoro
(farah.ali.soomro@gmail.com)

Abstract
The progressive movement began in 1936, but the publication of "Angaray" in 1932 can be called the forerunner of the progressive literary movement. Because after "Soz-e-Watan" this is the first collection of short stories in which anxiety against the stagnation prevailing in society was systematically and consciously expressed. Otherwise, in the first decades of the twentieth century, Urdu short stories could not be completely freed from the narrative atmosphere and reformist and romantic color. On the one hand, Sidarshan, Azam Karivi, Hamidullah Afsar, Ali Abbas Hussaini and Professor Muhammad Mujeeb were writing short stories, influenced by Premchand and his moral and reformist color; Those who have the art of carving their idols from the soft clay of the earth, on the other hand, Sajjad Haydar Yildirim and his fellow Nawa Sultan Haydar Josh and representatives of subtle literature, Niaz Fatehpuri and Majnu Gorakhpuri, were engaged in constructing an imaginary atmosphere and a heavenly world through their stories. All these storytellers were breathing in an imaginary atmosphere and were engaged in the process of reflecting the Platonic theory of love, unveiling the extraterrestrial concept of beauty, and taking a cursory look at phenomena
.

Key Words: Progressive movement, "Angaray", "Soz-e-Watan", Sidarshan, Azam Karivi, Hamidullah Afsar, Ali Abbas Hussaini, Sajjad Haydar Yildirim, Niaz Fatehpuri, Majnu Gorakhpuri.

ترقی پسند تحریک نے اردو ادب پر انقلابی اثرات مرتب کیے۔ اس نے جہاں اور کئی اصناف کو متاثر کیا وہاں افسانہ بھی اس سے بچ نہ سکا۔ اس طرح اس صنف کو بھی موضوعات، تکنیک و ہئیت اور اسلوبیاتی حوالے سے خاصا متاثر کیا۔ اس افسانے پر مختلف تجربات کیے گئے۔ یوں اس لحاظ سے نئے رجحانات اور امکانات کی راہ ہموار ہوئی۔ یوں افسانے نے تھوڑے ہی عرسے میں وہ عروج حاصل کیا جس کے لیے ایک ادبی صنف صدیوں انتظار کرتی ہے۔ اردو افسانے میں ایسے موضوعات در آئے جو اس سے پہلے اس کے لیے شجرِ ممنوعہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس سے پہلے اردو افسانے میں رومانی رجحانات کا دور دورہ تھا۔ یلدرم نے عورت اور محبت کو بنیادی حیثیت دے کر ایک تخیلاتی، مبہم، وجدانی اور رومانی فضا تخلیق کی اور اپنے فن میں یکتا قرار پائے۔ پریم چند کے ابتدائی افسانوں میں بھی رومانوی رجحانات نمایاں ہیں مگر بعد میں جلد ہی وہ قوم پرستی، وطن پرستی اور سماجی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئے۔ ابتدا میں وہ آریہ سماج کی ترجمانی کرتے رہے ساتھ ساتھ انھوں نے گاندھیاتی اندازِ فکر اپنایا اور پھر وطن پرستی، قوم پرستی اور زندگی کے مسائل میں گھرے ہوئے لوگوں کی آواز بن گئے۔ البتہ یہ ہے کہ وہ مثالیت پسندی اور اصلاح پسندی سے پہلو نہ چھڑا سکے۔ اس دوران "انگارے" کی اشاعت ہوئی جس میں لکھنے والوں نے اپنے عہد کے حوالے سے غم وغصے کا اظہار کیا۔ وہ موجودہ دور کے حوالے سے جھنجھلاہٹ کا شکار رہے اور احتجاجی کیفیات پر فوکس کر کے افسانے لکھتے رہے۔ انگارے اس کی عکاسی کر رہا تھا۔ اس مجموعے پر چھپتے ہی پابندی لگی۔ مگر ٹھہرے پانی میں پتھر پھینکا جا چکا تھا اور اس کے اثرات ادب پر پڑ چکے تھے۔ جب بھی کسی فن پارے پر پابندی لگتی ہے تو لوگ کسی نہ کسی طرح سے اسے چھپ چھپ کر پڑھتے ہیں۔ اس طرح وہ فن پارہ زیادہ مقبولیت پا جاتا ہے۔ اس طرح سے یہ ترقی پسند تحریک کے ابتدائی نقوش تھے۔ انگارے کے حوالے سے یہ تبصرہ ملاحظہ ہو:

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.02 (2026)

"انگارے کے مصنفین نے اپنے عہد کی جھنجھلاہٹ، غم و غصہ اور احتجاجی کیفیات کو فوکس کیا اور کسی منظم فکر کی بجائے منتشر و پریشان حال ذہن کی تصویر گری تک محدود رہے۔ ترقی پسند عہد میں افسانوی روایت کی یہ تینوں جہتیں ایک نئی فکر میں مدغم ہو کر ایک نئے انداز سے ارتقا ہوتی ہیں۔ اس نئی روایت میں رومانی ادیبوں کی آزاد خیالی اور آرزو مندی، پریم چند کی دردمندی، انسان دوستی اور حقیقت نگاری اور انگارے کے مصنفین کی بے باکی و تلخ روی بھی شامل تھی اور اس کی اپنی واضح نظریاتی بنیادیں بھی تھیں۔"(۱)

اس طرح اردو افسانے کے لیے ایک مربوط فکری ڈھانچہ مہیا کیا گیا۔ رومانی طرزِ فکر اور مذہبی و تہذیبی احیا کو عروج ملا۔ اس قسم کے خیالات صدیق الرحمان قدوائی کے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"ترقی پسند تحریک کا بااثر حلقہ آغاز سے ہی اشتراکی نظریات کا حامل تھا۔ چنانچہ انسانی تاریخ و تہذیب کے مارکسی نقطہ نظر کے مطابق ادب کی ماہیت، سماج سے اس کے رشتے اور زندگی میں اس کے رول کو سمجھنے اور سمجھانے بلکہ اس سے کام لینے کی کوشش کی گئی۔"(۲)

اس بات کو کمال الدین صدیقی نے یوں واضح کیا:

"اس بات کا اعتراف کرنے میں کوئی جھجھک نہیں ہونا چاہیئے کہ ترقی پسند تحریک جن اقدار کو ادب میں فروغ دینے کے لیے وجود میں آئی وہ اقدار وہی ہیں جن کا علَمبر دار کارل مارکس تھا۔"(۳)

اگر ہم کارل مارکس کے نظریات کو فلسفہ کی بنیاد پر پرکھیں تو یہ چار عناصر کو یوں واضح کرتے ہیں:

"اول: کوئی شے قطعی مکمل اور مطلق نہیں۔ سب اشیاء ہمہ وقت حرکت و تغیر میں ہیں۔

دوم: کائنات میں اشیا ایک دوسرے سے الگ تھلگ موجود نہیں بلکہ ہر شے دوسری پر اثر انداز ہو کر اس میں تغیر پیدا کر رہی ہے۔

سوم: ہر شے کے باطن میں اس کی ضد موجود ہے جو بالآخر اس کی نفی کا باعث بنتی ہے۔

چہارم: ہر کائنات میں اس کی نفی موجود ہوتی ہے اور ہر نفی کی بھی نفی ہو جاتی ہے جس سے اثبات عمل دوبارہ شروع ہو جاتا ہے۔"(۴)

اوپر بیان کیے گئے کارل مارکس کے ان اصولوں کی روشنی میں معاشرہ کے مسائل کی پیداوار "مادہ" یا "اصل" ہیں جس سے سیاست، مذہب، اخلاق اور علوم و فنون کے سرچشمے نکلتے ہیں، جس کی وجہ سے معاشرہ میں عدمِ توازن پیدا ہوتا ہے اور یوں طاقتور طبقہ انھی چیزوں سے اثر لے کر غربا کا استحصال کرتا ہے۔ اس فکر کے خلاف دنیا بھر کے مزدور حرکت میں آئے اور پھر انقلاب روس نے مزدوروں کے طبقے کو تقویت دے کر ان کے نظریے کو جان دار بنایا۔ تعلیم یافتہ طبقے نے دنیا بھر میں اس تحریک کو خوش آمدید اور پھر عملی سطح پر اس کو برتنے کی کوشش کی گئی۔ اس سے پوری دنیا کے ادیبوں نے اثر لیا۔ ہندوستانی ادب پر بھی اس کے اثرات پڑے اور اس طرح اس کو اپنے اساسی فکر کا ترجمان بنایا۔ اس طرح ہمارے ادیب اس کو اپنی تخلیقات میں برتنے لگے۔ اس طرح اس سے افسانے کے موضوعات، اسالیب اور تکنیک متاثر ہوئے۔ جس سے افسانے میں تین طرح کے رجحانات پیدا ہوئے۔ پہلا سماجی حقیقت نگاری کا رجحان جس میں حیات اللہ انصاری، راجندر سنگھ بیدی، اختر اورینوی، سہیل عظیم آبادی، بلونت سنگھ اور شوکت صدیقی وغیرہ شامل ہیں۔ دوم انقلابی رومانی حقیقت نگاری جس میں کرشن چندر، غلام عباس، احمد ندیم قاسمی، خواجہ احمد عباس، اور انور عظیم شامل رہے۔ سوم بے باک حقیقت نگاری کا رجحان جس کے نمائندے سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی، عزیز احمد اور احمد علی وغیرہ تھے۔ ان تینوں رجحانات میں مذہب، معاشرت، سیاست، تہذٰب و تمدن اور رسوم و اقدار کے خلاف بغاوت کا عنصر شامل تھا۔ ان عوامل میں اصلاح کی بجائے ان کو یکسر ترک کر دینا تھا۔ کارل مارکس کے مطابق دنیا کے پورے نظم کو بدلنے کی صلاحیت موجود ہونی چاہیئے۔ اس طرح اس تحریک کی وجہ سے معاشرہ کو بدلنے کا رجحان سامنے آیا اور افسانہ نگاری کا کام محض قاری تک جمالیاتی مسرت پہنچانا نہیں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر تحریک و تبدیلی لانی تھی۔ اس انقلابی شعور کے حوالے سے شہزاد منظر لکھتے ہیں:

"سماجی حقیقت نگاری اور ترقی پسند افسانے میں بنیادی فرق یہ ہے کہ سماجی حقیقت نگاری خود کو صرف معاشرے کی تنقید تک محدود رکھتی ہے جب کہ ترقی پسند افسانہ قاری کو معاشرے کو بدلنے کے لیے متحرک کرتا ہے۔ اس طرح ترقی پسند افسانہ سماجی حقیقت نگاری سے آگے کی شے ہے۔۔۔ ترقی پسند افسانہ نگار وہ ہے جو معاشرے کی تنقید کے ساتھ ساتھ اسے بدلنے کا بھی قائل ہو۔"(۵)

چوں کہ یہ تحریک رومانیت اور تخیل پرستی کے ردِ عمل کے طور پر سامنے آئی تھی، اس وجہ سے اس نے ان چہروں پر قد غن لگائی تھی اور ٹھوس حقیقت پسندی پر توجہ دی۔ اس طرح زندگی میں پیش آنے والی تبدیلیاں جیسے سماجی کروٹیں، ارضی بندھن اور وجدانی و تخیلاتی دنیاؤں سے صرفِ نظر کر کے حقیقت نگاری کو نئی معنویت دی۔ اس طرح انھوں نے بے شمار پوشیدہ گوشے زمینی خدوخال میں ڈھالے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر وزیر آغایوں رقم طراز ہیں:

"ترقی پسند تحریک سے پہلے افسانہ نگاروں نے آسمانی رفعتوں کو اس طرح اپنایا تھا کہ زندگی کے ارضی پہلو ایک بڑی حد تک ان کی نگاہوں سے او جھل ہو گئے تھے۔ اب انھوں نے بلندی پر سے مزید بلندی کو دیکھنے کی بجائے اپنی نظریں جھکالیں، اور زمین اور معاشرے کی کروٹوں کو دیکھتے چلے گئے۔"(٦)

اس تحریک کے زیرِ اثر اردو افسانے میں فرقہ پرستی، نسلی تعصب اور انسانی استحصال کی مخالفت، مذہب، جنس، جنگ اور سماج کے بارے میں رجعت پسندی کی روک تھام اور توہم پرستی واضمحلال کی بجائے حرکت و عمل کے رویے پیدا ہوئے۔ طبقاتی کش مکش کو ترقی پسند افسانے میں خصوصی گوشہ ملا۔ اس طرح دیگر موضوعات میں معاشی، معاشرت، سیاست، قومیت، مذہب، اخلاق، تہذیب و تاریخ، روایات و اقدار، روحانیت، جذبات و جمالیات اور عقلیات کو انسانی عوامل کے ساتھ متصل کر کے اس کا تجزیہ کیا گیا۔ مزدوروں، کسانوں، ملازمین اور خدمات بجالانے والے تنخواہ دار طبقہ کے مسائل نے ترقی پسند افسانے میں خصوصی جگہ پائی۔ اس طرح معاشی جبر کے حوالے سے ٹوٹے ہوئے سماج کے خلاف بغاوت کی ابھرتی لکیروں کی تصویر کشی نے کہانی میں عصری حسیت کو پروان چڑھایا۔ اس طرح یہ ایک پیغام پہنچادیا گیا کہ اب ظلم کے ضابطے نہیں چل سکتے۔ یوں افسانے کے منظر نامے میں نمایاں تبدیلیاں آئیں۔ اس حوالے سے جوگندرپال یوں لکھتے ہیں:

"ترقی پسندوں بیشتر ہمارا افسانوی منظر نامہ عام طور پر بے سانس تشبیہوں اور گھڑے گھڑائے قصوں پر مشتمل تھا۔ ان قصوں سے برے بھلے درس اخذ کیے جاتے تھے لیکن چونکہ وہ قاری کو پیش آتے محسوس نہیں ہوتے تھے اس لیے وہ ان میں اس انداز سے شریک نہ ہو پاتا جس انداز سے اپنے روزمرہ میں۔ اس کے برعکس ترقی پسند دور کی کہانیوں میں اتر کر قاری گویا انھیں جیسے لگتا۔ یہ کہانیاں گویا اسے اپنی اصل وارداتوں کے مانند پیش آرہی ہوتیں۔"(٧)

یعنی ترقی پسندوں کے ہاں کہانی کا ہیرو پسماندہ طبقے کا ہیرو قرار پایا تو اس کے گرد گھومتی زندگی اور اس کے جملہ وظائف کی بھی عکاسی ہونے لگی۔ اس طرح ان کے ساتھ مکانی وزمانی وابستگی بھی نمایاں ہوئی۔ اس سے ماحول میں نیا پن ابھرا اور اس طرح ان میں نئی انفرادیت نمایاں ہوئی۔ وزیر آغا کہتے ہیں:

"ان افسانوں میں وہ سب کچھ ہے جو ایک اچھے افسانے میں ہونا چاہیئے۔ اندازِ بیاں خوب صورت، فضا اور ماحول کی عکاسی بے عیب اور پلاٹ کی نوک پلک درست لیکن ایک چیز کی کمی ہے وہ زندہ اور گوشت پوست کا کردار ہے۔"(٨)

وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں کردار بھی حقیقت سے بھرپور ہیں۔ جیسے ہم پریم چند کے کرداروں کو دیکھیں تو ان میں خیر و شر، تعمیر تخریب اور جنسی قبیح کی انسانی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ افسانہ "کفن" کے کردار حقیقت سے بھرپور ہیں اور نچلے طبقے کے نمائندہ ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے اکثر افسانوں میں مثالی یا (Typical) کردار ہوتے ہیں۔ ان کے بعض کردار نعرے بازی والے ہیں جب کہ بعض سماجی کروٹوں کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کبھی سماجی ظلم سے ٹکراتے ہوئے اور کبھی ان کے ساتھ ہم آہنگی کرتے کردار ہیں۔ یوں پریم چند کے کرداروں میں انفرادیت بھی ہے اور زندگی کے واضح نقوش بھی۔ ان میں مزدور، قلی، بھنگی، چمار اور دھوبی کے عمومی کردار ہیں۔ یہ کردار حقیقی زندگی کی تصویر کشی کرتے ہیں۔

ترقی پسند افسانے میں یہ بھی ہوا کہ اس میں اظہار کا بیانیہ اور وضاحتی اسلوب اپنایا گیا اور استعاراتی و تمثیلی انداز سے گریز کیا گیا۔ ان کے ہاں حقیقت نگاری کے ذریعے سے انسان کی ناآسودگی، محرومی، تکالیف اور کربناکی جیسے عوامل کو موضوع بنایا گیا۔ وجہ یہ ہے کہ وہ ادب کے ذریعے پورے معاشرے کے مسائل کا تجزیہ کر رہے تھے۔ اس طرح وہ انقلاب لانے کے متمنی تھے۔ یعنی سرسید کی طرح "دل سے بات نکلے اور دل میں بیٹھے" کے مصداق کا ہی فارمولہ تھا۔ ان کا اپنا ایک نظریہ یہی تھا کہ ترقی پسندانہ نظریات کی ترویج ہو۔ اس لیے نظریے کی وجہ سے رومانی الفاظ و تراکیب کی بجائے سادہ، عام فہم اور عام زندگی سے متعلق لغت کا افسانے میں دخول ہوا۔ اس طرح زبان میں جذباتی اور احساساتی پہلوؤں کو نظر انداز کیا گیا۔ اس طرح اسلوب میں بھی توازن نہ رہا تو اظہار یے میں ناہمواری اور عامیانہ پن در آیا۔ اس کا نقصان یہ ہوا کہ افسانہ تبلیغی پمفلٹ بن کر رہ گیا۔ تاہم جہاں جہاں احتیاط برتی گئی وہاں عمدہ صورتِ حال سامنے آئی۔ اس طرح جہاں واقعاتی اور کرداری افسانہ لکھا گیا تو بیانیہ اسلوب نگارش زیادہ مفید ثابت ہوا۔ اس سے روانی اور دلچسپی کے عناصر پیدا ہوئے اور مجموعی تاثر ابھارنے کی وجہ سے حسن و نفاست کے لیے جزئیات نگاری، سیرت نگاری اور مرقع کشی کی گئی، اس سے قدیم دور کے پر تکلف، آرائشی اسلوب سے نجات ملی اور ایک رواں دواں عام فہم اسلوب رائج ہوا۔ اس سلسلے میں سلیم آغا قزلباش لکھتے ہیں:

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.02 (2026)

"روسی ادب کی حقیقت پسندی، زندگی کے مسائل پر گہری نگاہ، عوامی نقطہ نظر، ہر چیز ہندوستانی ادب کے عام میلانات سے ہم آہنگ تھی۔ اس لیے روسی ناولوں اور ڈراموں کے ساتھ ساتھ افسانوں کے تراجم بھی بڑی تعداد میں ہوئے۔ چیخوف، ٹالسٹائی اور گورکی کے علاوہ نئے روسی ادیبوں مثلاً سیمونوف، پیٹروف، شوتوخوف، گوگل اور شیکوف وغیرہ کے افسانے بھی برابر ترجمہ ہوتے رہے۔"(۹)

نمائندہ افسانوں میں "اندھی دنیا"، "نازو"، "خونی" اور "یہ زندگی" شامل ہیں۔

اس طرح بعض فرانسیسی، ترکی، جاپانی اور دیگر زبانوں کے تراجم ہوئے۔ اس طرح انقلابی سوچ کے تحت ارد گرد کے ماحول کی عکاسی کی گئی اور انقلاب سے پہلے اور بعد کے روسی افسانوں کے تراجم نے اس ماحول کی عکاسی اور ذہنوں کو بدلنے کا فریضہ انجام دیا۔ اس طرح یہ تراجم ہندوستانی فضا میں اپنے لگے اور اس طرح تحریک نے زندگی، ادب اور حسن کے معیاروں کو بدلا۔ اس طرح روسی افسانے کے تراجم فنی سطح پر کیے گئے۔

ترقی پسند ادب کے تخلیق کیے جانے والے ابتدائی افسانے حیات اللہ انصاری کے قلم سے منظر عام پر آئے۔ جن میں "ڈھائی سیر آتا"، "بڈھا سود خور"، "پرواز"، "آخری کوشش"، "شکستہ کنگورے"، "چچا جان"، "شکر گزار آنکھیں"، "موزوں کا کارخانہ اور "بھرے بازار میں" شامل ہیں۔ ان کے افسانوں میں ہندوستان کی سماجی اور معاشی بدحالی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ان کے افسانوں کا اسلوب سادہ اور اکہرے پلاٹ والا ہے۔ بعض افسانوں جیسے "شکر گزار آنکھیں" اور "آخری کوشش" میں ان کا فن اپنے عروج پر نظر آتا ہے۔ اختر انصاری نے بھی ترقی پسندی کے تحت افسانے لکھے جن میں شدید جذباتیت اور انقلاب کی شدید خواہش نظر آتی ہے۔ وہ اعتدال و توازن میں کوئی حد مقرر نہیں کرتے۔ ان کے ہاں انسانی ظاہر و باطن، امیری غریبی، حاکمی و محکومی اور فرد و سماج کا تضاد ہلکورے لیتا ہوا نظر آتا ہے۔
اوپندر ناتھ اشک کے ہاں مثالیت اور جذباتیت کے ملے جلے نقوش نظر آتے ہیں۔ ان کے افسانوی مجموعوں میں "نورتن"، "ڈاچی"، "چٹان" اور "ناسور" شامل ہیں۔ ان کے موضوعات میں معاشرت کی سماجی، معاشی اور جنسی ناہمواریاں ملتی ہیں۔ ان پر پریم چند کے اثرات بھی نمایاں ہیں۔ خصوصاً ہندو خواتین مصائب، رسوم و رواج کے کئی اور کڑی تکلیف دہ عناصر اور متوسط گھرانوں کو عناصر کا بیان ملتا ہے۔

اختر اورینوی اور سہیل عظیم آبادی کے ہاں صوبہ بہار کا دیہی و شہری ماحول ملتا ہے۔ جن میں جاگیر دار اور مزارع کے مارکسی مبلغ نظر آتے ہیں۔ ان کے بارے میں وقار عظیم لکھتے ہیں:
"اختر اورینوی کی حقیقت نگاری دوسرے ترقی پسندوں سے قطعی الگ ہے۔ ان کے افسانوں مین ایک عام فکری میلان ملتا ہے۔ ان کی فکر اقبال اور مارکس سے متاثر ہے اور یہ تاثر ان کے افسانوں میں پیش از پیش ملتا ہے۔"(۱۰)

ان کے نمائندہ افسانوں میں "بیل گاڑی"، "گندے انڈے" اور "تسکین حسرت" شامل ہیں۔
سہیل عظیم آبادی کے ہاں خارجی مسائل کو داخلی مسائل سے ملا کر کسی قدر تجزیاتی رنگ پیش ہوا۔ ان کی کارل مارکس سے نظریاتی وابستگی اور نعرے بازی میں توازن پایا جاتا ہے "دو مزدور" ان کا منفرد افسانوی مجموعہ ہے۔

خواجہ احمد عباس کے ہاں سیاسی و سماجی صورتِ حال اپنا رنگ دکھاتی ہے۔ ان کے ہاں صحافیانی اندازِ نگارش کا پرتو ملتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ صحافی بھی تھے۔ اس وجہ سے واقعات میں اخباری بیانات جیسے اندازِ نگارش سے ملاقات ہوتی ہے۔ ہر نئی بات اور نیا واقعہ ان کے افسانے کا موضوع بن جاتا ہے، جس میں وہ ترقی پسندی شامل کر کے اسے افسانہ بناتے ہیں۔ وہ زیادہ تر سیاسی نوعیت کے واقعات سے اپنے افسانوں کو مزین کرتے تھے۔ ہموار اور دوٹوک بیانیہ کے حامل اس افسانہ نگار کی نمائندہ کہانیوں میں "زعفران کے پھول"، "اجنتا"، "اندھیرا اجالا"، "چوراہا" اور "بمبئی رات کی بانہوں میں" شامل ہیں۔

اختر حسین رائے پوری اگرچہ تنقید کے مردِ میدان ہیں مگر انھوں نے افسانے بھی عمدہ لکھے جن میں ترقی پسندانہ سوچ اور اپروچ شامل ہے۔ "محبت اور نفرت" اور "زندگی کا میلہ" ان کے شاہکار افسانے ہیں۔ وہ رومانیت اور حقیقت کا امتزاج پیش کرتے ہیں۔ اس طرح ان کے ہاں گرد و پیش کی ناانصافیوں سے شدید بے زاری اور اس طرح کی زندگی کے خلاف بغاوت ملتی ہے۔ ان کے افسانوں پر چیخوف اور دستوئسکی کے اثرات غالب ہیں۔
اگر ان کے افسانوں کا جائزہ لیا جائے تو "برگد کا درخت" ہی وہ افسانہ ہے جو رومان اور حقیقت میں توازن پیدا کرتا ہے۔ اس طرح "میرا گھر"، "دیوان خانہ" اور "جسم کی بہار" بھی شامل ہیں۔ اس سلسلے میں خود ان کے الفاظ یہ ہیں:

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.02 (2026)

"جب میں اپنے آس پاس اندھے بھکاریوں، ننگی طوائفوں اور فاقہ کش مزدوروں کا انبوہ دیکھتا ہوں اور جب ان کی فریاد، اخلاق کے بلند و بانگ دعویدار سرمایہ داروں کے پیروں تلے روندنے لگتی ہے تو میں ہر گز چپ نہیں رہ سکتا۔"(۱۱)

بلونت سنگھ اور قاسمی ہاں دیہات کے رنگ ملتے ہیں۔ قاسمی پنجابی دیہات کو اپنے افسانوں میں پینٹ کرتے ہیں۔ ترقی پسند تحریک میں سب سے زیادہ قابلِ قدر اور متوازن افسانہ نگاروں میں سرِ فہرست ہیں۔ ان کے اٹھارہ افسانوی مجموعے شائع ہو چکے ہیں جن میں سے نمائندہ "چوپال"، "بگولے"، "طلوع و غروب"، "گرداب" اور "سیلاب" شامل ہیں، ان کے ہاں ہمدردی اور انسان دوستی کی خصوصیات نمایاں ہیں۔ بلونت سنگھ کے ہاں سکھ برادری کی دیہاتی سوچ کی عکاسی کی گئی ہے۔ جاگیردار کا ظلم اور مزارع کا استحصال ان کے خاص موضوعات ہیں۔ "جگا"، "پہلا پتھر" اور "تارو پود" ان کے انقلابی سوچ کے حامل افسانے ہیں۔

کرشن چندر کے ہاں بھی کشمیر کا دیہات نظر آتا ہے جس میں انھوں نے رومانی اور ملکوتی انداز کے ذریعے سے فطرت کے حسین نظاروں اور محبت کے کومل جذبوں کی نمائندگی کی ہے۔ "ہوائی قلعے"، "طلسم خیال" اور "نظارے" میں ان کی ترقی پسندانہ خیالات کی بھرپور پر چھائیاں ملتی ہیں۔ وہ سیاسی اور معاشی جبر کے خلاف تھے اور اس کو زیادہ قریب سے دیکھا اور محسوس کیا۔ وہ پسے ہوئے مظلوم طبقے کی آواز بن کر ابھرے۔ بقول احمد حسن:

"کرشن چندر "ان داتا" میں تلخ حقیقت نگار اور انقلاب پسند کی حیثیت سے جلوہ گر ہیں۔ ان کے افسانوں میں فطرت کے حسن اور رومانیت کے علاوہ اپنے عہد کے اقتصادی، معاشی، سیاسی اور سماجی مسائل کی مختلف پہلوؤں کی ترجمانی ملتی ہے۔ ان کے افسانوں کے کردار کسان، سیٹھ، زمیندار، کلرک، رکشی ڈرائیور اور عام زندگی کے افراد شامل ہیں۔"(۱۲)

الغرض یہ تھا ترقی پسندانہ افسانے کا ایک چھوٹا سا اسکیچ، جس میں ہم نے نمائندہ افسانہ نگاروں کا مختصر سا جائزہ لیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر محمد صادق، ترقی پسند افسانے کے پچاس سال، مشمولہ، ترقی پسند ادب، از ڈاکٹر قمر رئیس، ص۳۷۷

۲۔ پروفیسر صدیق الرحمان قدوائی، ترقی پسند تحریک منشوروں کی روشنی میں، ایضاً، ص۱۰۹

۳۔ کمال احمد صدیقی، ترقی پسند تحریک اور لکھنو، ایضاً، ص۲۴۷

۴۔ علی عباس جلالپوری، روایات فلسفہ، تخلیقات، لاہور، ۲۰۰۲ء، ص۱۴۲

۵۔ شہزاد منظر، ترقی پسند افسانے کی روایت اور نیا افسانہ، مشمولہ، ترقی پسند ادب، از ڈاکٹر قمر رئیس، ص۳۶۷۔۳۶۸

۶۔ ڈاکٹر وزیر آغا، اردو افسانے کے تین دور، مشمولہ، اردو افسانہ روایت اور مسائل، مرتبہ، از ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، ایجوکیشنل پبلشرز، کراچی، ۱۹۸۱ء، ص۱۲۷

۷۔ جوگندر پال، ترقی پسند کار اور افسانہ، مشمولہ، ترقی پسند ادب، از ڈاکٹر قمر رئیس، ایضاً، ص۱۴۱

۸۔ ڈاکٹر وزیر آغا، تنقید اور احتساب، جدید ناشرین، لاہور، ۱۹۶۸ء، ص۱۸۵

۹۔ ڈاکٹر سلیم آغا قزلباش، جدید افسانے کے رجحانات، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۲۰۰۰ء، ص۲۹۴ء

۱۰۔ پروین اختر، اردو ادب پر روسی ادبیات کے اثرات (غیر مطبوعہ مقالہ)، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ص۶۶۵

۱۱۔ سید وقار عظیم، داستان سے افسانے تک، مجلس ترقی اردو، کراچی، ۱۹۹۵ء، ص۷۸

۱۲۔ ڈاکٹر احمد حسن، کرشن چندر اور افسانہ نگار، فکشن ہاؤس، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص۱۴۳